شذرات

ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں علمائے کرام کی ایک کافی پرانی اور اہم تنظیم ہے، جو جمعیت العلماء ہند کے نام سے مشہور ہے، اور جس سے ہمارے پاکستان کی جمعیت العلماء اسلام کے بزرگوں کا بھی روحانی و تاریخی تعلق رہا ہے۔ جمعیت العلماء ہند نے آزادیٔ ملک کے فوراً بعد یہ ضروری سمجھا کہ وہ پہلے کی طرح ایک سیاسی پارٹی نہ رہے۔ اور اپنی تمام سرگرمیاں صرف مسلمانان ہند کی دینی، اصلاحی، معاشرتی اور تعلیمی خدمات تک محدود کر دے۔ ایک آزاد ملک میں ایک سیاسی پارٹی کا اولین مقصد اپنے مخصوص پلیٹ فارم سے انتخابات لڑنا، اور ملک کی اسمبلیوں میں اپنے نمائندے بھیجنا ہوتا ہے۔ کسی جماعت کے سیاسی نہ ہونے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں یا ہم خیالوں کے عام فلاح و بہبود کے کاموں سے بے تعلق ہو جائے اور ان کے دینی و دنیوی حقوق کے لئے آئینی جدوجہد نہ کرے۔

جمعیت العلماء ہند نہ صرف ان معنوں میں پہلے کی طرح ایک سیاسی پارٹی نہیں رہی، بلکہ وہ آزاد ہندستان میں سیکولر (نامذہبی) دستور کی سب سے بڑی حامی ہے۔ اور اسے وہ لفظاً نہیں، بلکہ عملاً بھی سیکولر بنانے کا مطالبہ کرتی اور اس کے لئے بڑے زور شور سے برابر جدوجہد کر رہی ہے اور اس جدوجہد میں شاید وہ ہندوستان کی سب جماعتوں میں پیش پیش ہے۔ غرض انتخابات کی عملی سیاسیات سے بے تعلقی اور سیکولرزم کی تائید و حمایت، جمعیت العلماء ہند کے محترم سربراہوں کے لئے اسلام کے منافی نہیں، اور وہ گزشتہ ۱۷ سال سے اسی راہ پر گامزن ہیں۔

پاکستان کی طرح ہندوستان میں بھی اسلامی جماعت کی تنظیم ہے، اور اسلامی جماعت ہند کے نزدیک بھی اسلامی جماعت پاکستان کی طرح جماعت اسلامی کے مؤسس مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا لٹریچر

جماعت اسلامی کے فکر کی مستند شرح ہے" لیکن اس کے باوجود جماعت اسلامی ہند کے امیر مولانا ابواللیث نے پچھلے دنوں کانگریس کے مشہور رہنما ڈاکٹر سید محمود کے سوالات کے جواب میں بتایا ہے کہ "میں اور جماعت اسلامی ہندوستان کے دستور کو مانتے ہیں اور اس کی ان خوبیوں کے معترف ہیں، جن کا آپ نے اپنے خط میں حوالہ دیا ہے ..." اور یہ کہ "سیکولرزم کی جو تعبیر آپ نے پیش فرمائی ہے۔ اس کے ہم ہرگز مخالف نہیں ہیں، لیکن اگر اس کے معنی الحاد کے ہوں، تو ہم یقیناً اس کے مخالف ہیں۔"

ڈاکٹر سید محمود کا امیر جماعت اسلامی ہند سے سیکولرزم کے بارے میں یہ سوال تھا کہ "کیا مولانا اور جماعت اسلامی سیکولرزم کو مانتے ہیں یا نہیں" ڈاکٹر صاحب نے اپنے سوال کی تفصیل میں لکھا تھا۔ "ہندوستان کی سیکولرزم کا یہ مفہوم نہیں کہ لادینیت کو فروغ دیا جائے، بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ گورنمنٹ کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ جیسا کہ انگلستان میں وہاں کا بادشاہ عیسائی مذہب کا محافظ اور مددگار سمجھا جاتا ہے" اس ضمن میں مولانا ابواللیث نے یہ بھی لکھا کہ "میں پورے وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ہمارے لٹریچر سے کوئی ایک سطر یا ہماری گزشتہ تاریخ کی کوئی ایک مثال اس بات کے ثبوت میں پیش نہیں کی جا سکتی کہ ہم دستور یا اسٹیٹ کے غیر وفادار ہیں" (مدینہ بجنور۔ ۲۵ جولائی ۶۴ء)

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا بہت ضروری ہے۔ جہاں تک نفسِ سیاست کا تعلق ہے، اسے اور دین اسلام کو الگ الگ سمجھنا ایسے ہی ہے، جیسے کہ زندگی اور سیاست دو جدا جدا چیزیں سمجھی جائیں واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ نہیں جو ان معنوں میں سیاست سے باہر ہو، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام دین و سیاست دونوں ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ یہاں دراصل ہمارے زیر بحث نفس سیاست نہیں، بلکہ انتخابات لڑنے والی سیاسی "پارٹی بازی" ہے۔

اسی سلسلے میں ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ ہونا چاہیئے۔ جب ایک قوم اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی ہوتی ہے۔ تو ان غیر معمولی حالات میں سیاست اور سیاسی "پارٹی بازی" میں کوئی تفریق نہیں رہتی، اور قوم کی ہر جماعت، گروہ اور ہر فرد کا فرض ہوتا ہے کہ وہ بے دھڑک آزادی کی جنگ میں کود ے۔ اور اپنے ملک اور قوم کو آزاد کرائے۔ یہ ایک ملک و قوم کی ہنگامی صورت حال ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ سیاسی باریک بینیاں نہیں کی جاتیں، ہمارے سامنے اِس وقت ایک آزاد ملک کے عام حالات ہیں۔ اور ہم انہی کے پس منظر میں سیاسی "پارٹی بازیوں" کا ذکر کر رہے ہیں۔

ایک آزاد مسلمان ملک میں جیسا کہ پاکستان ہے، علمائے کرام کا اپنی جماعتوں کے مذہبی پلیٹ فارم کو سیاسی "پارٹی بازی" کے طور پر استعمال کرنا اور اس کے ذریعہ انتخابات لڑنا اور اسمبلیوں میں جانے کی کوشش کرنا، ہمارے نزدیک مستحسن نہیں ہے اس سے دین اسلام جس کے ہمارے یہ علمائے کرام ترجمان، شارح اور محافظ ہیں، لامحالہ سیاسی "پارٹی بازی" کی سطح پر آ جائے گا۔ اور جہاں "پارٹی بازی" کا معاملہ ہو، اور وہ بھی انتخابات ہیں، تو قدرتاً حریف ایک دوسرے کو زک دینے اور بدنام کرنے کے لئے کوئی حیلہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، ہمیں ڈر ہے کہ اس سے علمائے کرام کے وقار پر بھی زد پڑے گی۔ اور ان کی وجہ سے عوام کو اسلام سے جو دلی وابستگی ہے، اس میں بھی فرق آئے گا۔

خدا گواہ ہے کہ ہماری ان معروضات کا محرک خدانخواستہ علمائے کرام سے کسی قسم کا عناد نہیں، بلکہ وہ دلی عقیدت و احترام ہے۔ جو ہم اپنے دل میں ان محترم بزرگوں کے لئے شروع سے محسوس کرتے آئے ہیں۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر علمائے کرام اسمبلیوں کے لئے نمائندے منتخب کرنے والے عوام کے سامنے اپنے نقطہ ہائے نظر پیش نہیں کریں گے، تو حکومت کی پالیسیوں کو وہ جو اسلامی بنانا چاہتے ہیں، کس طرح بنا سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سوال اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، لیکن اس کا جواب علمائے کرام کی سیاسی "پارٹی بازی" نہیں اور وہ اس کا تجربہ کر کے خود دیکھ بھی چکے ہیں۔ ہماری رائے میں علمائے کرام مذہبی پلیٹ فارم سے جو کافی ہمہ گیر اور موثر ہے۔ رائے عامہ کو ہم خیال بنا کر حکومت سے اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی بات زیادہ توجہ سے بھی سنی جائے گی۔ اور عوام و حکومت دونوں میں ان کا وقار بھی بڑھے گا۔